ڈاکٹر ارم صبا
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو زبان و ادب، فاطمہ جناح ویمن یونی ورسٹی، راول پنڈی
ڈاکٹر محمد زاہد عمر
لیکچرر، پنجاب کالج، راول پنڈی

اردو میں سوانحی دستاویزی ناول نگاری کی روایت
ابتدا سے اکیسویں صدی تک

Abstracts

ATradition of Biographical documentary novel in Urdu from the beginning to the 21st Century

By Dr. Irum Saba, Asst. Prof., Dept. of Urdu Language & Literature, Fatima Jinnah Women University, Rawalpindi.

Dr. Muhammad Zahid Umar, Lecturer, Punjab College, Rawalpindi

The biographical documentary elements are visible in the Urdu novels from the very beginning of novel like English. The real life colors gives the novel the color of biographical documentation. Most of the critics agree that the novel *Nishtar* (1790-91 in Hindi Persian language) lays the initial traces of Urdu novel writing. Later on translated in Urdu in 1894. Another important name in the biographical documentary novel tradition is Mirza Muhammad Hadi Ruswa (1857-1931). His novels *Umrao Jan Ada* (1899), *Zat Sharif* (1900), and *Sharifzada* (1900) are novels with biographical elements and are derived from real life. From Raswa to the twenty-first century, we see biographical documentary elements in important novelists like Shamsur Rahman Farooqi, Ahsan Farooqi, Ahmed Bashir, Intzar Hussain etc. In the tradition of Urdu novel, not only biographical documentation is found, but

there are also some novels in which other colors of documentation are visible. Such as historical, religious, scientific, social facts, for the discovery of which the author has to go through research gorges.

Keywords: Biographical, Visible, Tradition, Elements, Historical, Authors, Religious. Muhammad Hadi Ruswa, Shamsur Rahman Farooqi, Ahsan Farooqi, Ahmed Bashir, Intzar Hussain.

دنیا کی ہر محکوم قوم حکمرانوں کی زبان اور ان کے ادب سے اثر قبول کرتی رہی ہے۔ جس طرح نارمن دورِ حکومت میں فرانسیسی زبان و ادب نے انگریزی ادب کو متاثر کیا بالکل اسی طرح برِصغیر میں انگریز دورِ حکومت میں اردو ادب پر انگریزی ادب کے اثرات مرتب ہوئے۔ اردو ادب کی بہت سی اصطلاحات اور اصناف انگریزی ہی کی مرہونِ منت ہیں۔ اردو ناول بھی ان ہی میں سے ایک ہے۔ اس لیے اردو میں سوانحی دستاویزی ناول نگاری کی روایت کا جائزہ لینے سے پہلے مغربی ناولوں میں سوانحی دستاویزی رجحان پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا ضروری ہے۔ دنیا میں ناول نگاری کا آغاز سترہویں صدی عیسوی میں ہوا جب سروانٹس (Cervantes) کا ناول "ڈان کوئگزٹ" (Don Quixote) ۱۶۰۵ء میں سپین سے شائع ہوا۔ یہ دنیا کا پہلا ناول تصور کیا جاتا ہے۔[۱] جس کا انگریزی ترجمہ ۱۶۱۲ء میں منظرِ عام پر آیا۔ سروانٹس نے یہ قصہ درحقیقت پرانی داستانوں کا مذاق اڑانے کے لیے لکھا تھا۔ مرکزی کردار ڈان کوئگزٹ اور اس کا ساتھی سانکو پانزا (Sancho Panza) حقیقی ہسپانوی کردار ہیں۔ داستانوی عہد میں حقیقی کرداروں کا یہ قصہ ایک نئے فن کی ایجاد ثابت ہوا۔ اس قصے نے ایک ایسی صنف کا احساس اجاگر کیا جو زندگی کا بوجھ اٹھانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اسی عہد میں داستان سے ہٹ کر اور بھی قصے تصنیف ہوئے مگر انھیں ناول قرار نہیں دیا جا سکتا البتہ ناول کی بنیاد کا خام مواد قرار دیا جا سکتا ہے جس پر مستقبل کے ناول کی عمارت تعمیر ہوئی۔

سروانٹس کے بعد ڈینیل ڈیفو (Daniel Defoe) کا ناول "رابنسن کروسو" (Robinson Crusoe) ۱۷۱۹ء میں منظرِ عام پر آیا۔ آج بھی رابنسن کروسو عالمی ادب کا ایک مقبولِ عام کردار تسلیم کیا جاتا ہے۔ ڈینیل ڈیفو کے ہاں دستاویزیت کی ایک اور واضح مثال ۱۷۲۲ء میں شائع ہونے والا *Journal of The Plague Year* ہے۔ اس کا مواد حقائق پر مبنی ہے اور ۱۶۶۵ء میں لندن میں پھیلنے والی طاعون کی وبا کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ڈیفو نے عینی شاہدین کے بیانات سے اخذ کیے گئے حقائق کو افسانوی قالب میں ڈھال کر پیش کیا۔ *Encyclopedia Britannica* نے اسے تاریخی حقائق اور فکشن کا امتزاج قرار دیا ہے۔[۲] ڈینیل ڈیفو کا ایک اور ناول *Moll Flanders* کو بھی حقیقت آگیں ناول کہا جا سکتا ہے۔ یہ ناول مول فلینڈرس نامی خاتون کی داستانِ حیات ہے۔ ناول کی تاریخ میں سیموئل رچرڈسن

(Samuel Richardson) کا نام بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ۱۷۴۰ء میں شائع ہونے والا رچرڈ سن کا ناول "پامیلا" (Pamela)انگریزی ناول کی تاریخ کا سنگِ میل ہے۔

ڈینیل ڈیفو کے دستاویزی نقوش کو فیلڈ نگ نے آگے بڑھایا اور اپنے ناولوں میں سوانحی، تاریخی دستاویزیت کو زیادہ بہتر طریقے سے پیش کیا۔ اپنے ایک اور ناول *The History of the Life of the Late Mr. Jonathan Wild the Great* میں حقیقی کردار کی سوانح پیش کرتا ہے جو اس عہد کے سماجی اور سیاسی حالات پر ایک خوبصورت طنز ہے۔ جوناتھن وائلڈ ایک ڈاکو تھا جسے مئی ۱۷۲۵ء میں پھانسی دی گئی۔ جب اسے پھانسی گھاٹ پر لایا گیا تو ایک ہجوم اس منظر کو دیکھنے کے لیے موجود تھا جس میں فیلڈ نگ بھی شامل تھا۔ جوناتھن وائلڈ کا ڈھانچہ آج بھی رائل کالج آف سرجنز آف انگلینڈ کے میوزیم میں موجود ہے۔[۳] فیلڈ نگ نے حقیقی کرداروں کی سوانح پیش کر کے ڈیفو کی سوانحی دستاویزی روایت کو مستحکم کیا ہے۔ ٹوبیاز جارج اسمالٹ (Tobias George Smollet) کا ناول *Roderick Random* بحری دستاویزیت کا حامل ہے جس میں بحری جہازوں پر زندگی کے حالات و واقعات کو حقیقی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ لارنس سٹیرن (Lawrence Sterne) کا ناول "ٹرسٹرم شینڈی" (Tristram Shandy) بھی دستایزی عناصر کا حامل ہے۔ سٹیرن کا دوسرا ناول *A Sentimental Journey* ہے۔ جس میں مصنف نے اپنے فرانس کے سفر کے حالات و واقعات بیان کیے۔

انیسویں صدی میں حقائق کے اظہار کی اس روایت کو تاریخی ناول کی صورت میں والٹر سکاٹ (Walter Scott)، الیگزینڈر ڈوما (Alexander Dumas) اور وکٹر ہیوگو (Victor Hugo) آگے بڑھاتے ہیں۔ والٹر سکاٹ نے سکاٹ لینڈ کی تاریخ کو ناول کی صورت میں پیش کیا ہے۔ ۱۸۱۵ء میں ان کا ناول "ویورلے" (Waverley) منظر عام پر آیا۔ ڈوما اور وکٹر ہیوگو کا تعلق فرانس سے تھا انھوں نے سکاٹ کی تاریخی ناول نگاری کی روایت کو آگے بڑھایا۔ ڈوما کو کردار نگاری میں کمال حاصل تھا۔ اس نے فرانس کے گزشتہ عہد کو زندہ کرنے کی کوشش کی۔ اسی طرح وکٹر ہیوگو نے بھی تاریخ کو موضوع بنایا۔ ان کا ناول "ناٹرڈام آف پیرس" (Notre Dame of Paris) بہت مقبول ہوا جس میں ہیوگو نے قرونِ وسطیٰ کی شہری زندگی کا نقشہ کھینچا ہے۔ انیسویں صدی کا ایک اور بڑا نام چارلس ڈکنز (Charles Dickens) ہے۔ ڈکنز نے سوانحی دستاویزیت کی روایت کو نا صرف آگے بڑھایا بلکہ اسے مستحکم بھی کیا۔ ان کا ناول *A Tale of Two Cities* میں انقلابِ فرانس کی دستاویز ہے۔ "ڈیوڈ کاپرفیلڈ" (1850) *David Copperfield* ان کا سوانحی دستاویزی ناول ہے جس میں انھوں نے اپنی زندگی کی کہانی پیش کی ہے۔ ڈکنز کا ایک اور ناول *Great Expectations* بھی سوانحی عناصر کا حامل ہے۔ چنانچہ یہ بھی سوانحی دستاویزی ناول کی ذیل میں شمار کیا جاتا ہے۔

سوانحی دستاویزیت کے حوالے سے ٹالسٹائی کے ناول(1852) *Childhood*،(1854) *Boyhood*اور (1856) *Youth* بھی خاصی اہمیت کے حامل ہیں جو ٹالسٹائی کے ابتدائی ناولوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان ناولوں میں ٹالسٹائی نے اپنے بچپن سے جوانی تک کے حالات و واقعات کو قلم بند کیا ہے۔ ٹالسٹائی کے ناول *War and Peace* اور *Anna Karenina* بھی ان کے حقیقت پسندانہ نقطہ نظر کے عکاس ہیں۔ خاص طور پر "وار اینڈ پیس" میں دستاویزی عناصر کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔اس کے بہت سے کرداروں میں سے کچھ حقیقی تاریخی کردار بھی شامل ہیں۔ ولیم تھیکرے (William Thackeray) اپنے ناول "ہنری اسمنڈ" (Henry Esmond) میں اٹھارویں صدی کے عہد کو زندہ کرتے ہیں۔ یہ ناول تاریخی ناول نگاری میں سکاٹ کی روایت کا امین ہے۔ تھیکرے نے Castlewood کے تاریخی واقعات کو ہنری اسمنڈ اور اس کے خاندان کے حالات کی صورت میں پیش کیا ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز ہی میں سیموئیل بٹلر کا ناول *The way of all Flesh* منظر عام پر آیا جو خود سوانحی عناصر کا حامل ہے۔ڈی ایچ لارنس کا ناول "سنز اینڈ لورز"(1913) *Sons and lovers* نا صرف لارنس کا بلکہ انگریزی ادب کا شاہکار ناول تصور کیا جاتا ہے۔ڈی ایچ لارنس نے اپنے اس ناول میں اپنے اور اپنے خاندان کے حالات نفسیاتی نقطہ نظر کے تحت پیش کیے ہیں۔ لارنس کے ایک اور ناول *Women in Love* میں بھی سوانحی عناصر پائے جاتے ہیں۔ جیمز جوائس (James Joyce) کا ناول *Portrait of the Artist* ایک سوانحی دستاویزی ناول ہے۔جس میں جوائس اپنا عکس سٹیون ڈڈلس کے کردار میں پیش کرتے ہیں۔ جوائس کا ایک اور ناول *Ulysses* فنی اعتبار سے بہت اہم مقام کا حامل ہے اس میں جوائس نے 'شعور کی رو' کی ٹیکنیک استعمال کی ہے۔ اس ناول میں گائنا کالوجی کے حوالے سے طبی معلومات دستاویزیت کی حامل ہیں۔ ورجینیا وولف کا ناول *Orlando: A Biography* بھی ایک سوانحی ناول ہے جس میں شعور کی رو کی ٹیکنیک استعمال کرتے ہوئے تقریباً چار سو سال کا زمانہ اس ایک ناول میں سمو دیا ہے۔امریکی ناول نگار ارنسٹ ہیمنگوے کا ناول *A Farewell to Arms* بھی دستاویزیت کا حامل ہے جس میں مصنف نے پہلی عالمی جنگ کے تجربات و مشاہدات بیان کیے ہیں۔ارنسٹ ہیمنگوے پہلی عالمی جنگ میں بطور ایمبولینس ڈرائیور شریک ہوا۔

دستاویزیت کا آغاز تو ڈینیل ڈیفو ہی سے ہو گیا تھا جب اس لندن میں طاعون کی وبا کو اپنا موضوع بنایا اور حقائق کی تلاش کے لیے باقاعدہ ریسرچ کی مگر اسے قبول عام بیسویں صدی میں حاصل ہوا۔اہم مثالوں میں Theodore Dreiser کا ناول (1925) *An American Tragedy*، John Hersey کا ناول *Hiroshima* (1946)، Truman Capote کا ناول (1966) *In Cold Blood*، Norman Mailer کا ناول *The Armies of the Night* (1968) اور Don DeLillo کا ناول (1988) *Libra* وغیرہ شامل ہیں۔

انگریزی کی طرح اردو ناول میں بھی سوانحی دستاویزی عناصر ناول کی ابتدا ہی سے دکھائی دیتے ہیں۔ سوانحی

دستاویزی ناول کا آغاز اردو ناول کے آغاز ہی سے وابستہ ہے۔ ناول سے پہلے داستان کی روایت موجود تھی جس میں تخیل کی اڑان بہت وسیع تھی۔ یہ اڑان داستان کو حقیقی زندگی سے دور لے جاتی تھی۔ پھر ناول کا دور آیا اور حقیقی زندگی کے واقعات اور مشاہدات نے داستان کو ناول کا روپ دیا۔ جس نے اردو ناول کے ابتدائی خد وخال وضع کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ زندگی کے یہی حقیقی واقعات ناول کو سوانحی دستاویزیت کا رنگ دیتے ہیں۔ اردو میں ناول نگاری کے آغاز کے حوالے سے بہت بحث کی گئی ہے۔ مگر زیادہ تر ناقدین اس بات پر متفق ہیں کہ ناول "نشتر" اردو ناول نگاری کے ابتدائی نقوش وضع کرتا ہے۔

قرۃ العین حیدر کے مطابق ہندوستان کا پہلا ناول (۴) "نشتر" درحقیقت پہلا سوانحی دستاویزی ناول بھی ہے۔ "نشتر" کے مصنف سید محمد حسن شاہ نے اپنی زندگی کے سچے واقعے کو ناول کی صورت میں پیش کیا ہے۔ جس کا اظہار وہ خود ناول کے آغاز میں کرتے ہیں:

> بعد حمد ونعت چند سطریں اپنے تعلق طبیعت اور سرگزشت زمانۂ شباب کی مفصلاً لکھتا ہوں، کیونکہ ایک جادو نگاہ صنم زاہد فریب کی محبت نے سرشار اور لایعقل کر رکھا تھا۔۔۔ ناظرین سے امید ہے کہ اس سچے قصے سے محظوظ ہوں تو راقم حروف عاصی، المحتاج الی اللہ سید محمد حسن شاہ عفی اللہ عنہ کے حسن خاتمہ اور مغفرت کی دعا فرمائیں اور سہو وخطا پر پردہ ڈالیں۔ (۵)

سید حسن شاہ نے ناول کے آغاز میں اپنے خاندانی حالات بیان کیے ہیں اور پھر اپنی عشقیہ داستان قلم بند کی ہے جو ہندوستان کے اس پہلے ناول کو خالص سوانحی دستاویزی ناول کا روپ دیتا ہے۔ آغاز میں جو سرخیاں دی گئی ہیں وہ آپ بیتی کا انداز لیے ہوئے ہیں۔ پہلی سرخی "مصنف کے خاندانی حالات" ہے جس میں آباء واجداد کے بارے بتایا گیا ہے کہ کس طرح وہ ہجرت کر کے عرب سے کابل اور پھر ہندوستان وارد ہوئے۔ بلخ، بدخشاں، کابل اور شاہجہان آباد میں ان کا قیام اور حالات و واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ سید حسن شاہ کے دادا انگریز فوج میں میر منشی کی حیثیت سے رہے۔ ان کے والد سید عرب شاہ بریلی آتے ہیں اور وہیں شادی کرتے ہیں۔ حسن شاہ کی ولادت ۱۷۷۰-۱۷۷۱ء میں ہوئی اور اسی شہر میں نانا کے زیرِ تربیت رہے۔ اپنی پیدائش کے حوالے سے مصنف لکھتے ہیں:

> میرے والد ماجد سکھوں کی زبردستیوں سے تنگ ہو کر آنولہ بریلی میں تشریف لائے اور وہیں شادی بھی کی۔ چنانچہ ۱۱۸۴ھ میں میری ولادت ہوئی اور دو چھوٹے بھائی بھی اسی شہر میں پیدا ہوئے۔ (۶)

مصنف کے نانا انگریز افسر مسٹر منگ ممبر کونسل کمپ کانپور کی سرکار میں منشی گری کے عہدے پر مامور تھے۔ ان

کی سفارش پر ۱۷۸۴-۸۵ء میں سید حسن شاہ، مسٹر منگ کے خانگی کاروبار اور حساب کتاب کے اہتمام و انصرام پر مامور ہوئے جہاں ان کی ملاقات خوب رو خانم جان سے ہوئی اور یہیں سے ان کی داستان محبت کا آغاز ہوا۔ عشرت رحمانی کے مطابق یہ مصنف کی آپ بیتی ہے جو انھوں نے اس عہد کی سادہ مروجہ فارسی زبان میں قلم بند کی ہے:

> ناول " نشتر " کا پلاٹ سچے واقعات پر مبنی ہے جو ۱۱۹۹ھ مطابق ۸۵۔ ۱۷۸۴ء کے دوران میں خود صاحب تصنیف پر گزرے اور اس نے اپنی زبان (اس عہد کی سادہ مروجہ فارسی) میں آپ بیتی کے طور پر اس واقعے کے تقریباً چھ سال بعد قلم بند کیے۔ اصل کتاب طبع نہ ہوسکی مگر اس کا ایک قلمی نسخہ منشی سجاد حسین کسمنڈوی مرحوم کو ۱۸۹۴ء میں دستیاب ہوا اور انھوں نے سلیس اور عام فہم اردو زبان میں اس کا ترجمہ کر دیا۔(۷)

ناول " نشتر "۱۷۹۰ء میں آسان مروجہ ہند فارسی زبان میں تخلیق ہوا۔ اس زمانے میں اردو اور فارسی کا چولی دامن کا ساتھ تھا اور ہند فارسی زبان کا ادب، اردو ادبی وراثت ہی کا حصہ تصور کیا جاتا ہے۔ اپنی تخلیق کے سو سال بعد ۱۸۹۰ء میں سجاد حسین کسمنڈوی نے اس کا اردو میں ترجمہ کر کے اس بھولے بسرے ناول کو دوبارہ زندگی دی اور "اودھ پنچ" میں قسط وار شائع کرایا۔ ۱۸۹۳ء میں یہ ناول لکھنؤ میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔ کچھ ناقدین اس ناول کو سجاد حسن کسمنڈوی کا طبع زاد ناول مانتے ہیں۔(۸)

اس ناول کے اردو ترجمے کے سو سال بعد قرۃ العین حیدر نے اس ناول کو نئے انداز سے دریافت کیا اور انگریزی میں ترجمہ کر کے اس کے قارئین کا دائرہ مزید وسیع کر دیا۔ زاہدہ حنا، قرۃ العین حیدر کی ان کاوشوں کا اعتراف ان الفاظ میں کرتی ہیں:

> قرۃ العین حیدر نے ۱۷۹۰ء میں لکھے جانے والے اس ناول کو دو سو برس بعد ۱۹۹۰ء میں صرف دریافت ہی نہیں کیا بلکہ *The Nautch Girl* کے نام سے انگریزی میں منتقل کر کے پڑھنے والوں کے ایک بڑے دائرے تک پہنچا دیا۔(۹)

سید حسن شاہ کے ناول " نشتر " کے بعد سوانحی دستاویزی ناول کی روایت میں دوسرا اہم نام مرزا محمد ہادی رسوا کا ہے۔ اردو ناول میں سوانحی دستاویزی عناصر کی بات کی جائے تو پہلا بڑا نام مرزا رسوا ہی کا آتا ہے۔ ان کے تمام ناول کسی نہ کسی حد تک سوانحی دستاویز کے حامل ہیں اور ان میں مرزا رسوا کی زندگی کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ مرزا ہادی رسوا نے جس حقیقت نگاری کا پرچار اپنی تنقیدی تحریروں میں کیا ہے اس کا عملی مظاہرہ اپنے ناولوں میں کر کے دکھایا ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی کے تجربات اور حقائق کو فن کارانہ شعور کے ساتھ ناول کے قالب میں ڈھالا ہے خاص طور پر ان کے ناول

"امراؤ جان ادا"، "ذات شریف" اور "شریف زادہ" سوانحی عناصر کے حامل ناول ہیں اور حقیقی زندگی سے ماخوذ ہیں۔مرزا رسوا اپنے ناولوں میں خود بھی دکھائی دیتے ہیں وہ کسی نہ کسی حوالے سے اپنی شخصیت کو ناول میں ضرور شامل کرتے ہیں۔ امراؤ جان ادا میں تو پورے ناول میں موجود ہیں دیگر ناولوں میں بھی وہ خود کو ناول میں شامل کیے بغیر نہیں رہ سکے۔اپنی ذات کے ساتھ ساتھ انھوں نے اپنے دوست احباب کو بھی اپنے ناولوں کا حصہ بنایا ہے کیونکہ وہ ناول کو زندگی کی حقیقتوں کے قریب تر رکھنے کے قائل تھے۔ زندگی کے حقائق سے دور ہو جانا ان کے نزدیک ناول نگار کی خامی ہے اسی لیے انھوں نے موضوعات اور کردار اپنے معاشرے سے چنے ہیں اور حقیقی کرداروں کو افسانوی رنگ میں رنگ کر پیش کیا ہے۔ امراؤ جان کا کردار اس کی ایک اہم مثال ہے۔مرزا رسوا اس ناول کے دو کردار امراؤ جان اور سلطان مرزا اپنے پہلے ناول "افشائے راز" میں بھی پیش کر چکے ہیں۔مرزا رسوا کے دوست احباب کے مطابق یہ کردار ان کے دوست کے متعلق ہے۔ "امراؤ جان ادا" اولین سوانحی دستاویزی رجحان کا حامل ناول، مرزا ہادی رسوا کا سب سے بہترین ناول بلکہ یوں کہیے کہ اردو ناول کی روایت کا اہم سنگ میل اور تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہنے والا ناول ہے۔اس نے اردو ناول کو اصلاحی، تبلیغی اور تاریخی ماحول سے نکال کر وسیع تر کینوس پر پھیلا دیا۔ یہ ایک کرداری ناول ہے جو امراؤ جان کی سوانح ہے اور اس کی پوری زندگی اس ناول میں سمو دی گئی ہے۔ امراؤ جان کا مرکزی کردار اس عہد کے لکھنؤ کا زندہ جاوید کردار ہے۔ اس وقت طوائف لکھنؤ کی معاشرت کا لازمی حصہ سمجھی جاتی تھی۔طوائف کا کوٹھا امرا کے اٹھنے بیٹھنے کی جگہ اور تہذیب و ادب کی ترویج کا ذریعہ تھا اور سماجی تقریبات طوائف کے بغیر پوری نہیں ہوتی تھیں۔طوائف اس معاشرے کا جزو لاینفک تھی مگر اس پر قلم اٹھانے کی جسارت کوئی نہیں کرتا تھا۔اصلاحی، مذہبی، تاریخی جذباتیت اور تبلیغی رجحان اس قدر غالب تھا کہ حقائق چھپ کر رہ گئے تھے۔ کردار آئیڈیل اور تصور کی قید سے نکل نہیں پاتے تھے ایسے میں امراؤ جان نے اس روایتی سانچے کو توڑا اور زندہ حقیقی کردار کی صورت میں سامنے آیا۔ ڈاکٹر سلیم اختر اس ناول کے تعارفی صفحات میں امراؤ جان کے کردار کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> امراؤ جان ادا کا کردار اتنا زندہ، سچا اور کھرا ہے کہ مدتوں اس کے حقیقی یا محض ایک کردار ہونے کی بحث جاری رہی۔ (۱۰)

امراؤ جان کا کردار اس عہد کے ماحول کا چلتا پھرتا کردار ہے اور صرف یہی نہیں ناول کے دیگر کردار بھی اس ماحول کی حقیقی عکاسی کرتے ہیں۔مرزا رسوا کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انھوں نے اپنے عہد کی طوائفوں کی زندگی کا مشاہدہ بہت قریب سے کیا تھا۔مرزا رسوا کی رسم و راہ جن طوائفوں سے تھی ان میں امراؤ جان ادا نام کی طوائف کا ذکر بھی آتا ہے۔ ڈاکٹر ظہیر فتح پوری لکھتے ہیں:

> امراؤ جان نامی ایک طوائف کی اس زمانے (۹۹-۱۸۹۶ء) میں لکھنؤ میں بڑی شہرت تھی

اور مرزا کی رسم و راہ ان تمام طوائفوں سے تھی جو موسیقی یا رقص میں مہارت رکھتی تھیں۔ (۱۱)

امراؤ جان کے کردار کے حقیقی ہونے کے حوالے سے ڈاکٹر سہیل بخاری لکھتے ہیں:

بعض لوگ امراؤ جان ادا کو مرزا رسوا کا تخیلی کردار سمجھتے تھے لیکن 'جنون انتظار' میں ادا کے تعارف سے یہ بات ثابت ہے کہ واقعی وہ ایک جیتی جاگتی ہستی تھی۔ (۱۲)

مرزا رسوا کے ناول "ذات شریف" اور "شریف زادہ" ایک ہی سال میں منظر عام پر آئے۔ مرزا رسوا نے "امراؤ جان ادا" میں لکھنو تہذیب کے زوال کی کہانی سنائی ہے وہ زوال "ذات شریف" میں اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ "ذات شریف" میں امارت سے غربت اور پستی کا سفر جب کہ "شریف زادہ" میں غربت سے بلندی کا، محنت اور ثابت قدمی سفر دکھایا گیا ہے۔ دونوں ناول جدا ہونے کے باوجود ایک خاص ربط میں پروئے ہوئے ہیں۔ ایک ناول شام کا استعارہ ہے تو دوسرا نئی صبح کا جیسا کہ مرزا ہادی رسوا خود "ذات شریف" کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

یہ دو ناول یعنی "ذات شریف" اور "شریف زادہ" جو فی الحال ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں ان کے ناموں سے ظاہر ہے کہ یہ ایک دوسرے کے متقابل ہیں۔ ایک میں اعلیٰ درجے سے ادنیٰ کی طرف تنزل اور دوسرے میں اس کے برعکس ادنیٰ درجے کے تنزل سے اعلیٰ درجے کی ترقی کا فسانہ ہے۔ (۱۳)

اگر تینوں ناولوں کا ایک ترتیب کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو ان میں ایک تسلسل کی فضا دکھائی دیتی ہے۔ اس عہد کی پوری تاریخ ہم پر عیاں ہو جاتی ہے کہ اودھی سماج کس طرح زوال کا شکار ہوا۔ طوائف کا کلچر، عیش پرستی، تن آسانی، تعلیم اور عمل سے دوری، اخلاقی تنزل بالآخر غدر کے بعد انگریزوں کی مکمل بالادستی سے یہ تہذیب اپنے زوال کی انتہا کو پہنچ جاتی ہے مگر نوابی سوچ کا زنگ رفتہ رفتہ اترتا ہے اور سرسید کے اثرات معاشرے پر اثر انداز ہونا شروع ہوتے ہیں۔ سوچ کی یہ تبدیلی مرزا رسوا کے تیسرے ناول میں دکھائی دیتی ہے جس میں محنت اور ثابت قدمی کے ذریعے ایک بہتر معاشرے کی طرف قدم اٹھایا جاتا ہے۔

ناول "ذات شریف" نواب چھبن کی سوانح ہے جو والد کی وفات کے بعد لاکھوں کی جائیداد کا وارث بن جاتا ہے۔ دولت کے ساتھ ساتھ بے فکری، تن آسانی، جہالت اور بے عملی بھی وراثت میں ملتی ہے۔ عیش پرستی میں شب و روز بسر ہوتے ہیں اس کی جہالت اور بے عقلی سے فائدہ اٹھا کر خلیفہ اور شاہ صاحب پرستان کی سیر کے بہانے اسے دونوں ہاتھوں سے لوٹتے ہیں۔ احباب کی لوٹ مار کی وجہ سے جلد ہی محتاجی اور غربت آ گھیرتی ہے۔ دوسری طرف دولت کے لالچ میں نواب چھبن کی والدہ کو بھی جال میں پھنسانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حکیم صاحب مختلف چالوں سے بیوہ بیگم

کے گرد عقد ثانی کا جال بنتے ہیں مگر خود ہی شکار ہو جاتے ہیں۔

اس ناول میں کچھ ایسے واقعات ملتے ہیں جو رسوا کی زندگی اور شاہان اودھ کی زندگی سے مماثلت رکھتے ہیں۔نواب چھبن اور حکیم صاحب کے کرداروں میں کچھ جھلک مصنف کی ذات کی دکھائی دیتی ہے۔

ناول اس عہد کے اودھی سماج کی دستاویز ہے۔مرزا رسوا نے ناول کی صورت میں اودھی سماج کے زوال کی تاریخ رقم کی ہے۔مصنف ناول کے دیباچے میں اس زوال کے اسباب کی بھی وضاحت کرتے ہیں اور ایک بڑا سبب تعلیم سے دوری قرار دیتے ہے۔نواب چھبن شاہان اودھ کا پرتو ہے۔خاص طور پر اودھ کے آخری دو حکمران امجد علی شاہ اور واجد علی شاہ کا عکس دکھائی دیتا ہے۔نواب چھبن جس طرح خلیفہ اور شاہ صاحب کے ہاتھوں کھلونا بنتے ہیں اور پرستان کی سیر کرتے ہیں اسی طرح یہ شاہان اودھ بھی کچھ عرصہ فرضی شاہ جن کے ہاتھوں میں کھیلتے ہیں۔نواب امجد علی شاہ کو تو زندگی نے مہلت نہ دی اور شاہ جن سے صحبت زیادہ عرصہ نہ چل سکی ان کے بعد نواب واجد علی شاہ کو بھی اسی جال میں پھنسایا گیا۔شاہان اودھ کے حقائق کو مرزا رسوا نے اپنے ناول میں کملا خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔

"ذات شریف" اور "شریف زادہ" مرزا رسوا کی زندگی کے دو مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ان میں سے کوئی ایک ناول ان کی مکمل تصویر پیش نہیں کرتا بلکہ یہ دونوں ناول مل کر مرزا رسوا کی زندگی کی جامع ترجمانی کرتے ہیں۔ایک ناول میں ان کی خامیوں اور تاریک پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے تو دوسرے ناول میں ان کی زندگی کے روشن پہلوؤں اور اچھائیوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ان دونوں ناولوں کو مجموعی طور پر مرزا رسوا کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی پیش کش قرار دے سکتے ہیں۔جس میں مرزا رسوا کے آئیڈیل کا بھی عمل دخل دیکھا جا سکتا ہے۔

مرزا رسوا کے ناولوں میں ان کی زندگی سے سب سے قریب تر ناول "شریف زادہ" ہے۔ناول کے دیباچہ میں مرزا رسوا خود اسے ایک سوانحی ناول قرار دیتے ہیں:

> میرے خیالات کے سلسلے میں یہ پہلا ناول ہے جو میں نے بطور سوانح عمری کے تحریر کیا ہے۔[۱۴]

ناول کی کہانی اور مرکزی کردار مرزا عابد حسین کی زندگی اور مصنف کی زندگی میں بہت مماثلت پائی جاتی ہے۔ناول میں مرکزی کردار عابد حسین کی سوانح بیان کی گئی ہے جو کسی حد تک خود مرزا رسوا کی سوانح ہے۔ڈاکٹر سہیل بخاری مرزا عابد حسین میں خود رسوا کی جھلک کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> یہ ناول کرداری ہے جس میں مرزا عابد حسین کے پیچھے خود مرزا رسوا کی شخصیت چھپی ہوئی ہے۔[۱۵]

ناول میں حقیقی کرداروں کی موجودگی اس ناول کو سوانحی دستاویزیت کے درجے تک لے آتی ہے۔علی عباس حسینی

جن کو مرزا ہادی رسوا کا براہ راست شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہے وہ اس ناول کو بہت حد تک مرزا رسوا کی آپ بیتی ہی قرار دیتے ہیں:

یہ ناول سوانحی ہے اور بہت حد تک مرزا رسوا کی آپ بیتی۔[۱۶]

اردو ناول نگاری میں عصمت چغتائی کو ایک منفرد حیثیت حاصل ہے۔ ناول نگار خواتین میں عصمت کا شمار حقیقت نگاروں میں ہوتا ہے جنھوں نے روایتی اصلاحی اور تبلیغی چھاپ کو ترک کر کے معاشرے کی تلخ حقیقت پر پڑا لحاف اتار پھینکا ہے۔عصمت نے ترقی پسند ادب کے زیرِ اثر اپنی تحریروں میں معاشرے کے تلخ حقائق کو موضوع بنایا جس پر انھیں کافی تنقید کا سامنا بھی کرنا پڑا۔عصمت اردو ادب کی ایک ضدی اور ٹیڑھی لکیر تھی جو ہر قدم پر روایت کو چیلنج کرتی ہے۔ عصمت کا ناول "ٹیڑھی لکیر "ایک کرداری اور سوانحی ناول ہے جس میں عصمت نے اپنی زندگی کے حالات و واقعات، مشاہدات وتجربات کوفن کارانہ انداز سے قلم بند کیا ہے۔ یہ ناول شمشاد (شمن) کی داستان حیات ہے۔عصمت نے شمن کی پیدائش سے لے کر ازدواجی زندگی تک کے جذبات و احساسات کو ایک ماہر نفسیات کی طرح بیان کیا ہے۔اس ناول کا مرکزی کردار شمن اصل میں عصمت چغتائی ہی کا عکس ہے۔عصمت نے اس کردار کو کمال محنت سے تراشا ہے۔عصمت نے بارہا اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ شمن اصل میں عصمت ہی ہے۔عصمت نے اپنی اس سوانحی دستاویز کے ذریعے اس عہد کی سوچ،عورت کی اس معاشرے میں اہمیت اور اس کی شخصیت پر مرتب ہونے والے اثرات کا خوبصورت اظہار کیا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب عورت اپنے بنیادی حقوق کی جنگ لڑ رہی تھی۔ یہ ناول اس دور کی تاریخ ہے جب صرف عصمت اور قرۃ العین حیدر جیسی خواتین تعلیم کا حق حاصل کر پاتی ہیں اور ہندوستان کی بے شمار خواتین اس حق سے محروم ہیں۔ بے جا ظلم وستم اور رسمی قیود ان کا مقدر رہے۔ یہ بے جا سختی، تنگ نظری اور گھٹن، نفسیاتی اور جنسی الجھنوں کو جنم دیتی ہے جو شخصیت میں بگاڑ اور ٹیڑھا پن پیدا کر دیتی ہے یہی حقائق اس ناول کا موضوع ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

> عصمت چغتائی کا ناول "ٹیڑھی لکیر "ان کی اپنی زندگی کے پس منظر سے ابھرا۔ اس کا مرکزی کردار شمن ان کی ذاتی اور نفسیاتی مہیجات کا آئینہ ہے۔۔۔ بطور ناول نگار انھیں"ٹیڑھی لکیر "سے شہرت ملی اور یہی ان کے فن کا سنگ میل نظر آتا ہے۔[۱۷]

یہ ناول ایک گہرے تاریخی، سیاسی اور سماجی شعور کی عکاسی کرتا ہے۔عصمت نے اپنی سیاسی، سماجی بصیرت سے کام لیتے ہوئے اس دور کے ملکی اور بین الاقوامی حالات اور مسائل پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

عصمت کا یہ تاریخی، سیاسی اور سماجی شعور صرف ملکی حالات تک محدود نہیں ہے بلکہ بین الاقوامی حالات حاضرہ پر بھی مباحث ملتے ہیں۔ جنگ، دنیا کے بدلتے ہوئے حالات، چین، جاپان، روس، جرمنی،پولینڈ، آئرلینڈ، برطانیہ وغیرہ ذکر اور یورپ کی صورتحال پر بھی گہرے اور بصیرت افروز خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ ناول بجا طور پر اپنے عہد کی تاریخی

اور عصمت کی سوانحی دستاویز ہے اور اردو سوانحی دستاویزی ناول کی روایت میں ایک اہم اضافہ ہے۔سوانحی دستاویزیت اور حقیقت نگاری کے جو نقوش مرزا رسوا نے مرتب کیے تھے عصمت نے ان کو مزید گہرا کیا ہے۔

سوانحی دستاویزی ناول نگاروں میں ایک اہم نام جمیلہ ہاشمی کا بھی ہے۔ ان کے ناول "دشت سوس" اور "چہرہ بہ چہرہ روبرو" تاریخی شخصیات کی سوانح ہے۔"دشت سوس" منصور حلاج کی زندگی اور "چہرہ بہ چہرہ روبرو" قرۃالعین طاہرہ کی زندگی پر مبنی ہے۔ جمیلہ ہاشمی تاریخ سے دل چسپی رکھتی ہیں۔لیکن وہ تاریخ کو ماضی کی آنکھ سے نہیں بلکہ اپنے عہد کے تناظر میں دیکھتی ہیں۔ وہ سیکڑوں سال پرانے عہد کو آج میں زندہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔قرۃالعین حیدر کا ناول " گردش رنگ چمن" بھی ایک سوانحی دستاویزی ناول ہے جسے مصنفہ نے 'نیم دستاویزی ناول' قرار دیا ہے۔اس کی وجہ وہ یہ بتاتی ہیں کہ اس میں انھوں نے چند حقیقی کردار شامل کیے ہیں کیوں کہ ناول کی دستاویزیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں حقیقی کرداروں کو پیش کیا جائے۔ شمس الرحمٰن فاروقی کا ناول " کئی چاند تھے سر آسماں" وزیر خانم کی داستان حیات ہے جو مغلیہ عہد کے دور آخر کی ایک مستند دستاویز بھی ہے مصنف کی تحقیق، تاریخی شعور، حقیقی کردار اور افسانوی رنگ نے اس ناول کو خالص سوانحی دستاویزی ناول کا روپ دے دیا ہے۔اس ناول کی پیشکش میں ایک محققانہ رنگ موجود ہے۔مصنف کسی تحقیقی مقالے کی طرح اس ناول کے آخر میں ان کتابوں کی فہرست بھی مرتب کرتے ہیں جن سے ناول کے لیے مواد اور حقائق کی چھان پھٹک میں مدد حاصل کرتے رہے ہیں۔

سوانحی دستاویزی ناولوں میں خود سوانحی رجحان کا حامل ناول "کارجہاں دراز ہے" سب سے اہم ناول ہے۔ تین جلدوں پر مشتمل یہ ناول قرۃالعین حیدر کے خاندان کی سوانح ہے۔ اس ناول کے تقریباً سب ہی کردار حقیقی ہیں۔ اردو کے سوانحی ادب میں ایسا بھرپور ناول جس میں خاندان کی پوری تاریخ رقم کر دی گئی ہو بہت کم دکھائی دیتے ہیں۔حقیقت میں بڑا ناول کسی ایک مخصوص صنف کی ذیل میں آ ہی نہیں سکتا۔ اس کا دائرہ اتنا وسیع ہوتا ہے کہ بہت سے رجحانات کے تحت اس ناول کو پڑھا جا سکتا ہے۔ یہی حال "کارجہاں دراز ہے" کا ہے۔ یہ ناول کسی ایک کردار کے گرد گھومنے والا روایتی سوانحی ناول نہیں ہے۔اس میں قرۃالعین کا خاندان، آبا و اجداد، والدین، بہن بھائی کے ساتھ ساتھ برصغیر کی اہم سیاسی، سماجی، ادبی اور مذہبی شخصیات کا ذکر بھی ملتا ہے۔ مجموعی طور پر اس ناول میں قرۃالعین کے اپنے کردار کی نسبت ان کے خاندان کے دیگر کرداروں کے احوال و واقعات زیادہ ملتے ہیں۔ خاص طور پر ان کے والد سید سجاد حیدر اور والدہ نذر سجاد حیدر کی زندگی کو بیان کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ ان کے عہد کی بہت سی ادبی شخصیات کے تذکرے بھی ملتے ہیں۔

یہ ناول قرۃالعین حیدر کے آباواجداد ہی کی تاریخ نہیں بلکہ یہ برصغیر کے مسلمانوں کی تہذیبی عمرانی تاریخ بھی ہے، حقیقت بھی ہے اور افسانہ بھی ہے۔ اس میں معنی کی اتنی سطحیں ہیں کہ اسے کسی دائرے میں مقید کیا ہی نہیں جا سکتا۔ قرۃالعین اس فضا، ماحول، وقت اور ساری کیفیات کو قاری تک منتقل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ وہ اجتماعی تاریخی شعور کی

بالیدگی کی قائل ہیں۔ وہ عمیق تاریخی بصیرت اور آگہی چاہتی ہیں جس کی بدولت لفظوں کو ان کی حدود اور دائروں سے آزاد ہو کر سمجھا اور محسوس کیا جا سکے۔ وہ آگہی کے نئے زاویے متعارف کراتی ہیں جس کی وجہ سے یہ کتاب محض حقائق کا مجموعہ نہیں بنتی بلکہ اس میں قرۃ العین حیدر کی فن کارانہ صلاحیتیں اور تخیل کی کارفرمائی بھی نظر آتی ہے۔ مواد حقیقی ہے اور طرز بیاں افسانوی، اسی لیے یہ سوانحی دستاویزی ناول کی تعریف پر پورا اترتا ہے۔

ممتاز مفتی بھی خالص سوانحی دستاویزی ناول نگاری کا اہم نام ہے۔ ان کے ناول "علی پور کا ایلی" اور "الکھ نگری" سوانحی دستاویزی ناول کی بہترین مثال ہیں۔ یہ دونوں ناول ایک ہی سلسلے کی کڑی ہیں جس میں ممتاز مفتی نے اپنی داستاں حیات افسانوی رنگ میں رقم کی ہے۔ اس ناول میں کرداروں کا ایک جہان آباد ہے جو حقیقی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں البتہ ان کی پیش کش کا انداز افسانوی ہو سکتا ہے۔ مصنف نے اپنی داستان حیات کے پہلے حصے "علی پور کا ایلی" میں حقیقی کرداروں کو فرضی ناموں کے ساتھ پیش کیا ہے مگر دوسرے حصے "الکھ نگری" کے کردار اپنے اصل نام کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ یہ ناول اپنے عہد کی ایک تاریخی دستاویز بھی ہے۔ پنجاب اور خاص طور پر بٹالہ، انبالہ، امرتسر، لاہور کے خطے کی تہذیب اور رہن سہن کی دستاویز بن گئی ہے۔ ممتاز مفتی نے فسادات کا دور بہت قریب سے دیکھا ہے۔ لاہور، بمبئی، گورداس پور میں قتل و غارت گری کے چشم دید گواہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے ان حقیقی واقعات کو گہرے احساس کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔ "الکھ نگری" کا انداز بیاں "علی پور کا ایلی" سے مختلف ہے۔ اس میں موضوعات اور واقعات کا تنوع ہے۔ ابتدا میں "علی پور کا ایلی" ہی کی سی افسانویت پائی جاتی ہے مگر آگے چل کر یہ ناول مختلف شخصیات کے خاکے کا انداز اپنا لیتا ہے۔ ان معروف شخصیات میں قدرت اللہ شہاب، اشفاق احمد، بانو قدسیہ، ابن انشا، احمد بشیر، ن م۔ راشد، جان محمد بٹ وغیرہ شامل ہیں۔ "الکھ نگری" کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اس میں مصنف نے تصاویر اور خطوط کو بطور دستاویز شامل کر دیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں تاریخ نہیں ہیں بلکہ سوانحی دستاویزی ناول ہیں جس میں تاریخی حقائق کو افسانوی رنگ دے کر اور معمولی رد و بدل کے ساتھ اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ بنیادی حقائق میں کوئی تبدیلی نہ آنے پائے۔ یہی سوانحی دستاویزی ناول کی شان ہے۔

احمد بشیر کا ناول "دل بھٹکے گا" بھی اردو کا ایک اہم سوانحی دستاویزی ناول ہے۔ اس ناول میں مصنف نے جمال کے روپ میں خود کو پیش کیا ہے۔ انھوں نے اپنی ہڈ بیتی افسانوی رنگ میں بیان کی ہے۔ اس ناول میں ان کی زندگی کا ہر اہم واقعہ، منظر اور موڑ دکھائی دیتا ہے۔ اس میں حقیقت اور افسانے کا حسین امتزاج دکھائی دیتا ہے اور یہی امتزاج اسے سوانحی دستاویزی ناول بنا دیتا ہے۔ احمد بشیر نے اپنی زندگی کی کامیابیوں اور ناکامیوں ہی کو بیان نہیں کیا بلکہ اپنے عہد کی مکمل دستاویز پیش کی ہے۔ انتظار حسین کے ہاں بھی سوانحی دستاویزیت کی واضح جھلک موجود ہے۔ خاص طور پر ان کا ناول "تذکرہ" ایک سوانحی دستاویزی ناول ہے جس میں انھوں نے اپنی اور اپنے خاندان کی داستان قلم بند کی ہے۔۔ ناول کا

مرکزی کردار اخلاق اپنے بزرگوں کے لکھے تذکرے کے ذریعے ماضی اور حال کو جوڑے رکھتا ہے اور اس خاندان کی کہانی بیان کرتا ہے۔اخلاق اصل میں مصنف کا اپنی ذات کا عکس ہے۔ خاندانی تذکرہ بھی ناول کی ایک اہم تاریخی دستاویز ہے جسے مصنف افسانوی رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ یہ ناول ضیاء کے دور کو بھی پیش کرتا ہے اور اس عہد کی دستاویز کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔احسن فاروقی کا ناول "دل کے آئینے میں"اسی سوانحی دستاویزی ناول کی ایک اہم کڑی ہے۔یہ ناول کتابی صورت میں تو نہیں چھپا البتہ رسالہ "سیپ" کے شمارہ نمبر ۱۳ سے شمارہ نمبر ۲۰ تک آٹھ اقساط میں شائع ہوا ہے۔ اس میں انھوں نے اپنی ۱۹۶۴ء تک کی داستان حیات قلم بند کی ہے۔ یہ ناول احسن فاروقی کی بکھری ہوئی یادیں ہیں جنہیں مصنف نے شعور کی روجیسی تیکنیک کے ذریعے ناول میں سمو دیا ہے۔اس ناول کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں ڈاکٹر احسن فاروقی نے اپنی پوری زندگی کو فکشن کے قالب میں فنی کامیابی کے ساتھ ڈھال دیا ہے۔[۱۸]

اردو ناول کی روایت میں صرف سوانحی دستاویزیت ہی نہیں پائی جاتی بلکہ کچھ ایسے بھی ناول ہیں جن میں دستاویزیت کے دیگر رنگ دکھائی دیتے ہیں۔ جیسے تاریخی، مذہبی، سائنسی، سماجی حقائق، جن کی دریافت کے لیے مصنف کو تحقیقی گھاٹیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ دستاویزیت کے حامل ان ناولوں میں مستنصر حسین تارڑ کے ناول 'بہاؤ'، 'راکھ'اور 'خس و خاشاک زمانے'، قرۃ العین حیدر کے ناول 'چاندنی بیگم' اور 'آگ کا دریا'، عبداللہ حسین کے ناول 'نادار لوگ' اور 'اداس نسلیں'، طارق محمود کا ناول 'اللہ میگھ دے'، فضل احمد کریم فضلی کا ناول 'خون جگر ہونے تک' اور شوکت صدیقی کا ناول 'جانگلوس' وغیرہ شامل ہیں۔ ان ناولوں میں انسانی تاریخ و تہذیب یا حقیقی کردار کی موجودگی اور حقائق کی دریافت میں مصنف کی شعوری تحقیقی کاوش موجود ہے۔

ناول میں سوانحی عناصر خواہ وہ کم مقدار میں ہوں یا زیادہ، کسی نا کسی صورت میں ظاہر ضرور ہوتے ہیں۔اسی وجہ سے سوانحی دستاویزی ناول کے سوتے، ناول کی ابتدا ہی سے پھوٹتے ہیں۔ ناول کا آغاز ہی اصل میں سوانحی دستاویزی ناول کا آغاز ہے۔ اردو ناول میں دستاویزیت اور خاص طور پر سوانحی دستاویزی رجحان وقت کے ساتھ ساتھ مضبوط ہوتا جا رہا ہے۔ امید کی جا سکتی ہے کہ آنے والے وقتوں میں یہ سوانحی دستاویزی رجحان مزید مستحکم ہو گا۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر احسن فاروقی، ناول کیا ہے ؟ (کراچی، الکتاب، ۱۹۶۵ء) ص ۱۳۳

۲۔ http://www.britannica.com/EBchecked/topic/306732/A-Journal-of-the-Plague-Year

۳۔ http://en.wikipedia.org/wiki/Jonathan_Wild

۴۔ انٹرویو، دیکھیے: http://www.bbc.co.uk/mediaselector/ondemand/hindi/meta/dps/2007/08/070821_qurratul_ain_haider?bgc=003399&lang=hi&nbram=1&nbwm=1&ms3=2&s

ize=au

۵۔ سید محمد حسن شاہ، نشتر، مترجم سجاد حسین انجم کسمنڈوی، (لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۳ء)، ص ۶
۶۔ ایضاً، ص ۸
۷۔ عشرت رحمانی (مرتب)، نشتر (لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۳ء)، ص ا
۸۔ اقتدار عالم خان، اردو میں ناول نگاری کا آغاز ایک نیا زاویہ نگاہ، مشمولہ فکر و نظر، (علی گڑھ، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، شمارہ جنوری، ۱۹۶۵ء)، ص ۱۳۲
۹۔ زاہدہ حنا، قرۃالعین حیدر—ایسا کہاں سے لائیں، مشمولہ قرۃالعین حیدر اردو فکشن کے تناظر میں، مرتبین جمیل الدین عالی و دیگر (کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۹ء)، ص ۲۷۴
۱۰۔ مرزا ہادی رسوا، امراؤ جان ادا، تعارف از ڈاکٹر سلیم اختر، (لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)، ص ۴
۱۱۔ ایضاً، تعارف از ڈاکٹر ظہیر فتح پوری، (لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۹ء)، ص ۱۰
۱۲۔ ڈاکٹر سہیل بخاری، اردو ناول نگاری، (لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۶۰ء)، ص ۸۰
۱۳۔ مرزا محمد ہادی رسوا، ذات شریف، (دہلی: انجمن ترقی اردو، س ن)، ص ۴
۱۴۔ ایضاً، دیباچہ، شریف زادہ، مشمولہ مجموعہ مرزا محمد ہادی رسوا، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء)، ص ۵۱۹
۱۵۔ ڈاکٹر سہیل بخاری، اردو ناول نگاری، ص ۷۸
۱۶۔ علی عباس حسینی، اردو ناول کی تاریخ اور تنقید، (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۷ء)، ص ۲۷۸
۱۷۔ ڈاکٹر انور سدید، اردو ادب کی مختصر تاریخ، (دہلی: عالمی میڈیا پرائیویٹ لمیٹڈ، ۲۰۱۴ء)، ص ۵۶۸
۱۸۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان، آزادی کے بعد اردو ناول، (کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۸ء)، ص ۳۰۵، دوسرا ایڈیشن

مآخذ

۱۔ بخاری، سہیل، ڈاکٹر، اردو ناول نگاری، لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۶۰ء
۲۔ حنا، زاہدہ، قرۃالعین حیدر—ایسا کہاں سے لائیں، مشمولہ قرۃالعین حیدر اردو فکشن کے تناظر میں، مرتبین جمیل الدین عالی و دیگر، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۹ء
۳۔ حسینی، علی عباس، اردو ناول کی تاریخ اور تنقید، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۷ء
۴۔ خان، ممتاز احمد، ڈاکٹر، آزادی کے بعد اردو ناول، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۸ء، دوسرا ایڈیشن
۵۔ رحمانی، عشرت (مرتب)، نشتر، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۳ء
۶۔ رسوا، مرزا ہادی، امراؤ جان ادا، تعارف از ڈاکٹر سلیم اختر، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء
۷۔ ______، تعارف از ڈاکٹر ظہیر فتح پوری، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۹ء
۸۔ ______، ذات شریف، دہلی: انجمن ترقی اردو، س ن
۹۔ ______، دیباچہ، شریف زادہ، مشمولہ مجموعہ مرزا محمد ہادی رسوا، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء
۱۰۔ سدید، انور، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ، دہلی: عالمی میڈیا پرائیویٹ لمیٹڈ، ۲۰۱۴ء
۱۱۔ شاہ، محمد حسن، سیّد، نشتر، مترجم سجاد حسین انجم کسمنڈوی، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۳ء

۱۲۔ فاروقی، احسن، ڈاکٹر، ناول کیا ہے؟، کراچی، الکتاب، ۱۹۶۵ء

رسائل و جرائد

۱۔ فکر و نظر، علی گڑھ، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، شمارہ جنوری، ۱۹۶۵ء

ویب گاہ

1. http://www.britannica.com/EBchecked/topic/306732/A-Journal-of-the-Plague-Year
2. http://en.wikipedia.org/wiki/Jonathan_Wild
3. http://www.bbc.co.uk/mediaselector/ondemand/hindi/meta/dps/2007/08/070821_qurratul_ain_haider?bgc=003399&lang=hi&nbram=1&nbwm=1&ms3=2&size=au

Refrences:

1. Dr. Ahsan Farooqi, *Novel kia hay*, (Karachi: Alkitab, 1965), P.133
2. http://www.britannica.com/EBchecked/topic/306732/A-Journal-of-the-Plague-Year
3. http://en.wikipedia.org/wiki/Jonathan_Wild
4. Interview, visit: http://www.bbc.co.uk/mediaselector/ondemand/hindi/meta/dps/2007/08/070821_qurratul_ain_haider?bgc=003399&lang=hi&nbram=1&nbwm=1&ms3=2&size=au
5. Syed Muhammad Hassan Shah, *Nashtar*, Trans. by Sajad Hussain Anjum Kasmandvi, (Lahore: Majlis-e-Taraqqi-e-Adab, 1963), p. 6
6. Ibid, p. 8
7. Ishrat Rehmani, (Ed.), *Nashtar*, (Lahore: Majlis-e-Taraqqi-e-Adab, 1963), p. 1
8. Iqtadar Aalam Khan, *Urdu main Novel Nigari ka Aaghaz: Aik Naya Zawiyah-e-Nigah*, in *Fikr-o-Nazar*, Issue January, 1965, Aligarh, Aligarh Muslim University, p. 122
9. Zahida Hina, Qurat-ul-Ain Haider, *Esa Kahan Say La'in*, in *Qurat-ul-Ain: Urdu Fiction kay Tanazur main*, Ed. by Jameeluddin Aali & Others, (Karachi: Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu Pakistan, 2009), p. 472
10. Saleem Akhtar, *Introduction* in *Umrao Jan Ada* by Mirza Hadi Ruswa, (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2003), p. 4
11. Zaheer Fatehpuri, *Introduction* in *Umrao Jan Ada* by Mirza Hadi Ruswa, (Lahore: Majlis-e-Taraqqi-e-Adab, 1999), p. 10
12. Dr. Sohail Bukhari, *Urdu Novel Nigari*, (Lahore: Maktaba-e-Jadeed, 1960), p.80
13. Mirza Muhammad Hadi Ruswa, *Zaat-e-Shareef* (Delhi: Anjuman Taraqqi-e-Urdu, N. D.), p. 4
14. Mirza Muhammad Hadi Ruswa, *Preamble* in *Shareef Zada* in *Majmua Mirza Muhammad Hadi Ruswa*, (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2000), p.519
15. Dr. Sohail Bukhari, *Urdu Novel Nigari*, p.78

16. Ali Abass Husani, *Urdu Novel ki Tareekh-o-Tanqeed*, (Aligarh: Educational Book House, 1987), p.278
17. Dr. Anwar Sadeed, *Urdu Adab ki mukhtasir Tareekh*, (Dehli: Aalami Media Private Limited, 2014), p.568
18. Dr. Mumtaz Ahmed Khan, *Azadi kay baad Urdu Novel*, (Karachi: Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu, 2008), p.305, 2nd Ed.

Bibliography

1. Akhtar, Saleem, *Introduction* in *Umrao Jan Ada* by Mirza Hadi Ruswa, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2003
2. Bukhari, Sohail, Dr., *Urdu Novel Nigari*, Lahore: Maktaba-e-Jadeed, 1960
3. Farooqi, Ahsan, Dr., *Novel kia hay*, Karachi: Alkitab, 1965
4. Fatehpuri, Zaheer, *Introduction* in *Umrao Jan Ada* by Mirza Hadi Ruswa, Lahore: Majlis-e-Taraqqi-e-Adab, 1999
5. Hina, Zahida, *Qurat-ul-Ain Haider: Esa Kahan Say La'in*, in *Qurat-ul-Ain: Urdu Fiction kay Tanazur main*, Ed. by Jameeluddin Aali & Others, Karachi: Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu Pakistan, 2009
6. Husani, Ali Abass, *Urdu Novel ki Tareekh-o-Tanqeed*, Aligarh: Educational Book House, 1987
7. Khan, Mumtaz Ahmed, Dr., *Azadi kay baad Urdu Novel*, Karachi: Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu, 2008, 2nd Ed.
8. Rehmani, Ishrat, (Ed.), *Nashtar*, Lahore: Majlis-e-Taraqqi-e-Adab, 1963
9. Ruswa, Muhammad Hadi, Mirza, *Zaat-e-Shareef*, Delhi: Anjuman Taraqqi-e-Urdu, N. D.
10. ____, *Preamble*, in *Shareef Zada*, in *Majmua Mirza Muhammad Hadi Ruswa*, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2000
11. Shah, Syed Muhammad Hassan, *Nashtar*, Trans. by Sajad Hussain Anjum Kasmandvi, Lahore: Majlis-e-Taraqqi-e-Adab, 1963
12. Sadeed, Anwar, Dr., *Urdu Adab ki mukhtasir Tareekh*, Dehli: Aalami Media Private Limited, 2014

Magazines

1. *Fikr-o-Nazar*, Issue January, 1965, Aligarh, Aligarh Muslim University.

Websites

1. http://www.britannica.com/EBchecked/topic/306732/A-Journal-of-the-Plague-Year
2. http://en.wikipedia.org/wiki/Jonathan_Wild
3. Interview, visit: http://www.bbc.co.uk/mediaselector/ondemand/hindi/meta/dps/2007/08/070821_qurratul_ain_haider?bgc=003399&lang=hi&nbram=1&nbwm=1&ms3=2&size=au